اَلَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (ابراہیم: ۱)

سراپا حمد اللہ کے محفوظ رستے کی طرف، اسی کا ہے سب کچھ جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے

اور فرمایا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ
اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا
الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ
بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ
اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ
لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ
اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۔
(الشوریٰ: ۵۲، ۵۳)

اور اسی طرح بھیجی ہم نے تیری طرف ایک روح اپنے امر سے۔ نہیں جانتا تھا تو کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔ لیکن ہم نے بنا دیا اس کو نور۔ ہدایت کرتے ہیں ہم اس کے ذریعے جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے۔ اور بے شک تو البتہ ہدایت کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔ راہ اللہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ خبردار، اللہ ہی کی طرف ہے بازگشت تمام امور کی۔

اب میں توفیقِ الٰہی سے، جو کچھ اس بارے میں ذہن میں محفوظ ہے، سپردِ قلم کرتا ہوں، وَاللّٰہ الھادی الیٰ سبیل الرشاد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو قرآن کے الفاظ اور معانی و مطالب ایک ساتھ تعلیم فرماتے، دلیل اس کی یہ آیت ہے:

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (النحل: ۴۴)

تاکہ پوری وضاحت سے بتا دے لوگوں کو جو کچھ نازل کیا گیا ہے ان کی طرف۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی (متوفی ۷۳ھ) کہتے ہیں: وہ اصحاب جنھوں نے ہمیں قرآن سکھایا: عثمان بن عفان، (علی بن ابی طالب)، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہم کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم قرآن کی دس آیتیں سیکھتے اور جب تک ان سے متعلق تمام باتیں نہ جان لیتے، اور علم کے ساتھ عمل جمع نہ کر لیتے، آگے نہیں بڑھتے تھے۔ یوں ہم نے قرآن اور اس کا علم اور اس پر

عمل، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ساتھ سیکھا۔ اسی وجہ سے ان بزرگوں کو ایک ایک سورہ کو سیکھنے میں مدتیں لگ جاتی تھیں۔ امام احمدؒ اپنی مُسند میں اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہم میں سے کوئی سورۂ بقرہ اور آل عمران یاد کر لیتا تو وہ لوگوں کی نگاہوں میں بزرگ بن جاتا تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سورۂ بقرہ کئی برس میں، بروایت امام مالکؒ آٹھ برس میں یاد کی تھی۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو قرآن کے حفظ و ضبط میں یہ اہتمام اس بنا پر تھا کہ ارشاد باری ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ یہ کتاب کہ ہم نے اتاری ہے تیری طرف برکت والی
لِيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ ۔ (صٓ: ۲۹) اس لیے کہ لوگ سوچ سمجھ کر اس کی آیتوں پر عمل پیرا ہوں

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (محمد: ۲۴) کیا پھر نہیں سوچ سمجھ سے کام لیتے قرآن میں

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ (مومنون: ۸۶) کیا پھر نہیں سوچ وچار کیا انھوں نے اس کھری محکم بات میں ۔

اور ظاہر ہے فہم و تدبر، معنی پر آگاہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تحقیق ہم نے اتارا اس کو صاف سلیس واشگاف
تَعْقِلُوْنَ ۔ (یوسف: ۲) زبان میں، تاکہ تم سمجھ لو ۔

اور عقل میں کوئی بات تبھی آسکتی ہے کہ جس موقع مقام کی بات ہو، خلوص اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کو عقل میں لانے، سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ہر کلام کا مقصد و منشا ہوتا ہے اور مقصدِ کلام پر آگاہی ــــ الفاظ پڑھنے سے نہیں مطلب و معنی کو سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ لوگ طب، حساب یا کسی اور علم و فن کی کتاب پڑھتے ہیں تو ان کے مطالب اور ان کی شرح معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب انسانوں کی ساختہ پرداختہ کتابوں سے استفادہ کی یہ صورت ہے، تو اللہ کی کتاب کے مقصد و منشا سے آگاہی

معنی کا علم سیکھے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ کتاب جو برائیوں اور گمراہیوں سے ہمارے تحفظ کا ذریعہ ہے، وہ کتاب جو ہمیں صلاحِ دنیا اور فلاحِ آخرت کے آداب سکھاتی ہے وہ کتاب جس پر ہمارے دین کا قیام ہے، وہ کتاب جس پر نجات و سعادت کا مدار ہے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں تفسیری اختلاف بہت کم ہے، نہ ہونے کے برابر۔ تابعین میں ظاہراً تفسیری اختلاف کچھ زیادہ ہے، لیکن وہ بھی بعد والوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ خیر القرون سے قرب جس قدر زیادہ ہے، اسی قدر کلامِ الٰہی کی تفسیر میں (اختلاف کم اور بعد جس قدر زیادہ ہے، اسی قدر) اختلاف زیادہ ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں: "میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تین مرتبہ، اوّل سے آخر تک، قرآن پڑھ کے سنایا، ٹھہرنے کی ہر آیت پر ٹھہرا، سوال کیے اور مطلب سمجھا۔" اسی لیے امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں: جب تمھیں کسی آیت کی تفسیر، مجاہد سے مل جائے تو کسی اور تفسیر کی جستجو نہ کرو۔ اور اسی لیے امام شافعیؒ و امام بخاریؒ اور دوسرے اہلِ علم نے مجاہد سے مروی تفسیر پر اعتماد کیا ہے، اور امام احمدؒ وغیرہ صاحبِ تفسیر علماء اپنی تفسیروں میں زیادہ تر تفسیرِ مجاہد کی روایت لائے ہیں۔

غرض اس بیان کی یہ ہے کہ تابعین نے جس طرح سنتوں کا علم، اسی طرح قرآن کی تفسیر کا علم صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حاصل کیا۔ اور جس طرح بعض سنتوں میں استنباط و استدلال کی راہ سے گفتگو کی، اسی طرح بعض تفسیری مقامات میں بھی استنباط و استدلال کی راہ سے گفتگو کی۔

سلف میں، بمقابلۂ احکام، تفسیر میں اختلاف بہت کم ہے۔ تفسیر میں جو اختلاف صحیح طور پر ان سے مروی ہے وہ تعبیر و تنوع کا اختلاف ہے، تضاد کا اختلاف نہیں ہے یہ اختلاف دو قسم کا ہے:

ایک قسم یہ ہے کہ ایک مفسر نے بیانِ مطالب ایسے الفاظ میں کیا جو دوسرے مفسّر کے

الفاظ سے مختلف ہیں اور مطالب کی کسی ایک جہت پر دلالت کرتے ہیں جس پر دوسرے مترادف کے الفاظ دلالت نہیں کرتے، مگر دونوں کی تعبیر کا اصل مرجع ایک ہے۔ اس قسم کے تعبیری اختلاف کی مثال ایسے اسماء کی ہے جن کا مسمّٰی ایک ہو اور مسمّٰی کی مختلف صفات کو ظاہر کرنے کے لیے نام جدا جدا رکھ دیئے جائیں۔ جیسے سیف، صارم، مہند ایک ہی مسمّٰی کے نام ہیں جو تلوار کی مختلف صفتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح اسمائے حسنٰی، اور اسمائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسمائے قرآن ہیں، کہ تمام اسماء کا مسمّٰی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنٰی میں سے جس نام سے پکارو، پکار کا مرجع اسی کی ذاتِ مقدس ہوگی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط کہہ، پکارو اللہ کو، یا پکارو رحمٰن کو، جس نام سے
اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۔ (بنی اسرائیل ۱۱) بھی پکارو، اسی کے لیے ہیں سب نام بہت اچھے

کیوں کہ اس کے اسمائے حسنٰی سے ہر اسم اس کی ذات اور اس کی کسی خاص صفت پر دلالت کرتا ہے، مثلاً علیم اس کی ذات اور اس کی صفت علم پر دلالت کرتا ہے۔ قدیر اس کی ذات اور اس کی صفتِ قدرت پر، رحیم اس کی ذات اور اس کی صفت رحمت پر۔

جو اصحاب ظواہر اس طرف گئے ہیں کہ اسمائے الٰہی، صفات الٰہی پر دلالت نہیں کرتے، وہ منطقی داؤ پیچ میں آکے باطنیہ اور قرامطہ کے ہم نوا ہو گئے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ اللہ بغیر حیات کے زندہ ہے، اس کو حی نہ کہنا چاہیئے اور نہ یہ کہنا چاہیئے کہ حی نہیں ہے۔ وہ ذات باری سے نفی نقیضین کرتے ہیں اور گمراہی میں جا پڑتے ہیں۔ اگرچہ باطنیہ اور قرامطہ اسمائے الٰہی کے منکر نہیں ہیں، ان کو مانتے ہیں، لیکن جہمیوں کی طرح ان کو محض عَلَم قرار دیتے ہیں اور اُن صفات کے منکر ہیں جو ان اسماء سے ثابت ہوتی ہیں۔ اصحاب ظواہر، ظاہر معنی سے ادعائے تمسک کے ساتھ جب وہی بات کہتے اور مانتے ہیں جو باطنیہ و قرامطہ کا مقالہ ہیں، تو اس باب میں انہی کے ہم مذہب ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ موقع اس مبحث کی تفصیل کا نہیں ہے۔

اصل مقصود یہاں یہ ہے کہ اسمائے الٰہی میں سے ہر اسم اس کی ذات اور اس صفت پر

جو اس سے سمجھی جاتی ہے۔ دلالت کرتا ہے اور بطریق لزوم دوسرے اسم کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے محمودہ ہیں: محمد، احمد، ماحی، حاشر، عاقب۔ اور اسی طرح اسمائے مصحف ہیں: قرآن، فرقان، الہدیٰ، الشفا، التبیان، الکتاب۔ اس نوع کی اور بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں۔ اگر پوچھنے والے کا مقصود یہ ہو کہ مسمّٰی متعین کر دیا جائے، تو جواب میں ہم ہر اسم کو استعمال کر سکتے ہیں، اگر پوچھنے والا اس اسم کے مسمّٰی سے واقف ہے۔

اسم کبھی علَم ہوتا ہے اور کبھی صفت۔ مثلاً اگر کوئی پوچھے: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ. (طٰہٰ ۱۲۴) میں ذکر سے کیا مراد ہے؟ تو ہم جواب دیں گے: ذکر، قرآن ہے، جو کچھ اس میں اتارا گیا، اور ذکر، اللہ کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں۔ کیوں کہ ذکر، مصدر ہے، اور مصدر کبھی فاعل کی طرف مضاف کیا جاتا ہے اور کبھی مفعول کی طرف۔ مفعول کی طرف۔ مفعول کی طرف مضاف مانا جائے تو ذکر سے مراد وہ لفظ ہوں گے جن کے ذریعے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اللہ فاعل کی طرف اضافت مانی جائے تو ذکر سے مراد، خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے ذکر ہو گا۔ اور یہ ذکر اللہ کی کتاب ہے، اور آیۂ مذکور میں یہی مراد ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے یہ آیت ہے: فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (طٰہٰ ۱۲۳) اور معلوم ہے کہ ہدایت وہی ہے جو ذکر میں اتاری گئی ہے، اس بنا پر کہ اس کے بعد یہ ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا (طٰہٰ)

پس اگر پوچھنے والے کا مقصود یہ جاننا ہے کہ ذکرِ الٰہی، اللہ کا اتارا ہوا ذکر ہے، یا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا ذکر؟ تو جواب یہ ہے کہ ارشادِ باری ہے: میرا ذکر، میری کتاب، میری ہدایت ان سب کا مسمّٰی ایک ہے۔ اور اگر پوچھنے والے کا مقصود، اس خاص صفت کو جاننا ہو جو اس اسم کے ساتھ خاص ہے: مثلاً وہ جانتا ہے کہ القدوس، السلام، المومن سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے، لیکن وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے القدوس، السلام، المومن ہونے کے کیا معنے ہیں، تو ہمیں تعیینِ مسمّٰی سے زیادہ، کچھ کہنا ہو گا۔

(باقی)

مطبوعات

حدیث لٹریچر بزبان انگریزی | تالیف: جناب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب، پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی، قیمت ۱۵ روپے۔ صفحات ۲۱۱۔

حجیتِ حدیث کے متعلق یوں تو ہمارے اسلاف نے مختلف کتابوں میں بڑا قابلِ قدر ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ لیکن دورِ جدید میں اس کے متعلق جو شکوک و شبہات پھیلائے جا رہے ہیں وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کا نئے انداز سے جائزہ لے کر ان کے مسکت جوابات دیئے جائیں۔ اردو زبان میں اس سلسلے میں بعض بزرگوں نے نہایت مفید خدمت سرانجام دی ہے اور بڑے وزنی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سنتِ نبوی پوری طرح محفوظ ہے اور اسے دین میں بطور ایک بنیاد تسلیم کیے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔

انکارِ حدیث کا فتنہ چونکہ مستشرقین کا اٹھایا ہوا ہے اور انگریزی اور اسی طرح کی دوسری مغربی زبانوں کے ذریعہ ہمارے ہاں منتقل ہوا ہے۔ اس لیے اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اللہ کا کوئی بندہ ان مستشرقین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا انہی کی زبان میں مدلل جوابات دے۔ مقامِ شکر ہے کہ اس فرض کو ڈاکٹر زبیر صدیقی صاحب نے نہایت عمدہ طریق سے سرانجام دیا ہے۔ وہ کتاب کے آغاز ہی میں اس کا سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> “اس کتاب کی تدوین کی غرض یہ ہے کہ انگریزی دانوں، مسلم اور غیر مسلم دونوں کو حدیث کے آغاز، ارتقا، اور اس کے بارے میں محدثین کی جرح و تعدیل کا جو بیش قیمت ترکہ چھوڑا ہے اس سے شناسا کرایا جائے۔ انگریزی میں اس موضوع پر ایک ہی کتاب موجود ہے یعنی THE TRADITIONS OF ISLAM BY ALFRED GUILAUME, OXORD 1924 لیکن یہ اسلامی نقطۂ نظر کی شارح اور ترجمان نہیں۔ البتہ دوسری یورپی زبانوں میں مثلاً جرمن، فرانسیسی اور ڈچ میں

> حدیث کے متعلق کئی ایک عالمانہ اور ناقدانہ کتب شائع ہو چکی ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو ہمارے اسلاف کے صحیح خیالات کی ترجمانی کر سکے۔"

ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جس مقصد کے تحت انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے اس میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں۔

اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ آج حدیث پر جس قسم کے حملے کیے جا رہے ہیں اس کے لیے گولہ بارود گولڈ زیہر کے تیار کردہ اسلحہ خانہ ہی سے مہیا کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اس خدمت جلیلہ کے لیے پوری امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہت زیادہ اجر عطا فرمائے۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا سستا ایڈیشن تیار کر کے اسے خوب پھیلایا جائے۔

تاریخ تدوینِ حدیث | تالیف ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب۔ شائع کردہ پاک اکیڈمی کراچی۔ قیمت تین روپے پچاس پیسے۔ صفحات ۱۷۶۔

حدیث لٹریچر کے شائع ہو جانے کے بعد فاضل مصنف سے اس بات کا پُرزور مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی تحقیقات کو دوسری زبانوں خصوصاً عربی اور اردو میں بھی منتقل کر کے شائع کریں تاکہ اُن سے لوگ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ اس مطالبہ کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے تاریخِ تدوینِ حدیث کو اردو میں قلمبند فرمایا ہے۔

یہ محققانہ کتاب کراچی یونیورسٹی کے بی اے اور ایم اے کے اسلامیات کے نصاب میں داخل ہے۔ کتاب کا پیش لفظ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے۔ مولانا اس کتاب کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "خدا کا شکر ہے کہ پچھلے تیس چالیس سال کے دوران میں علماء اسلام نے عامۂ مسلمین کی اس ناواقفیت کو دُور کرنے کے لیے پیہم کوششیں کی ہیں۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے اور جنہیں اتنی